(15)

جماعت کے غرباء کی اِمداد کے لئے غلّہ کی تحریک

(فرمودہ 29 مئی 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حسب ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ۔[1]

اور فرمایا:-

"پہلے تو مَیں ایک دفعہ جماعت کے دوستوں کو قادیان کے غرباء کے لئے خصوصاً اور بیرونی جماعتوں میں بسنے والے غرباء کے لئے عموماً پھر غلہ کی تحریک کرتا ہوں اور یہ امر بھی مَیں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ جو تحریک مَیں نے کی ہے اس کے جواب میں جو دوست حصہ لیں وہ اس امداد کے متعلق صدقہ کی نیت نہ رکھیں بلکہ اپنے بھائیوں اور عزیزوں کی امداد کی نیت رکھیں۔ اس اعلان کے کرنے میں میری دو غرضیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن کریم نے خرچ کرنے کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ان اقسام میں سے ایک قسم خرچ کی اپنے دوستوں، اپنے رشتہ داروں اور اپنے بھائیوں کی امداد ہے مثلاً والدین کی امداد ہے، بیوی کی امداد ہے یا بیوی کی طرف سے خاوند کی امداد ہے یا بھائی کی امداد ہے یا بچوں کی امداد ہے اور یہ اخراجات بھی اسلامی اخراجات کی اقسام میں سے نہایت ضروری اور نہایت اہم ہیں۔ مگر یہ اخراجات ان معنوں میں صدقہ نہیں کہلاتے جن معنوں میں غرباء کو روپیہ دینا صدقہ کہلاتا ہے۔ عربی زبان میں صدقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اس میں صرف اتنی بات داخل ہے کہ اپنے اس خرچ کے ذریعہ سے اس تعلق کا ثبوت دیا جائے جو انسان کو اپنے پیدا کرنے والے سے ہے۔

صدقہ کے معنے خدا تعالیٰ سے اپنے سچے تعلق کا اظہار ہے اور چونکہ ماں باپ کی خدمت بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے وہ بھی صدقہ کہلا سکتا ہے مگر عربی میں جو صدقہ کا مفہوم ہے اس کے لحاظ سے ان معنوں کے لحاظ سے نہیں کہ یہ ایسا خرچ ہے جو ردّ بلا کے لئے انسان کرتا ہے۔ اسی طرح بیوی کے ساتھ سلوک بھی عربی کے مفہوم کے لحاظ سے صدقہ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے مُنہ میں لقمہ ڈالتا ہے تو وہ بھی صدقہ ہے۔[2] مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ انسان یہ سلوک ردِّ بلا کے خیال سے اور آئندہ کی امید کے لئے کرتا ہے بلکہ ان معنوں کے لحاظ سے کہ وہ بیوی کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے، اس سے اس کی بیوی کا دل خوش ہوتا ہے اور وہ خیال کرتی ہے کہ میرے خاوند کو میرے کھانے کا فکر ہے اور یہ فعل تعلقات کو بڑھانے والا اور خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے والا ہے۔ یہ صدقہ ہے۔ مگر ہماری زبان میں صدقہ کے معنے یہ ہیں کہ جو خرچ ردّ بلا کے لئے اور آئندہ کی امید میں غرباء پر کیا جائے۔ مثلاً اس امید میں کہ ہمارا فلاں رشتہ دار بیمار ہے وہ اچھا ہو جائے یا کوئی مقدمہ ہے وہ ہمارے حق میں ہو جائے یا قرض اتر جائے یا عزت پر کوئی حرف آتا ہے اس سے محفوظ رہیں۔ صدقہ کا عربی میں یہ مفہوم بھی ہے اور اسی مفہوم کے لحاظ سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی[3] کہ صدقہ دینے والا اسے قبول کرنے والے سے اچھا ہے اور مال کی اس تقسیم کو رسول کریم ﷺ نے عذابوں سے بچنے کا ذریعہ قرار دیا ہے اور یہ گویا خدا تعالیٰ کے ساتھ سَودے کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یا اللہ مَیں یہ خرچ کرتا ہوں اور تُو اس کے عوض فلاں چیز مجھے دے دے۔ دوسرے اخراجات اپنے اندر یہ رنگ نہیں رکھتے۔ کسی شخص کا کوئی رشتہ دار یا دوست باہر سے آتا ہے تو وہ اس کی دعوت کرتا ہے۔ وہ ردّ بلا کے خیال سے اور آئندہ کی امید کے لئے صدقہ نہیں کہلا سکتا بلکہ خدا تعالیٰ کا شکریہ سابق احسان پر ہے۔ اسی طرح ماں باپ سے نیک سلوک، بیوی سے نیک سلوک، بچوں سے نیک سلوک، ہمسایوں سے نیک سلوک، مسافروں سے نیک سلوک، یہ سب ان معنوں میں صدقہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ دنیا میں محبت بڑھے، امن وچین کا دَور دورہ ہو اور دنیا کا تمدن اچھا ہو اور لوگ آپس میں مل ملا کر رہیں اور

اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کریں۔ اس کی یہ غرض نہیں ہوتی کہ ہمارا فلاں پیارا اچھا ہو جائے، قرض اتر جائے، مقدمہ میں کامیابی ہو جائے یا عزت پر جو حرف آنے والا ہے، اس کا ازالہ ہو جائے۔ تو صدقہ کی کئی اقسام ہیں اور لوگ عام طور پر قرآنی صدقہ کی بہت سی قسموں سے غافل ہوتے ہیں۔ پس اس تحریک سے میرا ایک مطلب تو یہ ہے کہ عربی زبان میں صدقہ کا جو مفہوم ہے وہ بھی پورا کرنے کا دوستوں کو موقع مل جائے اور یہ مفہوم نہیں کہ ردِّ بلا کے لئے خرچ کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کیا جائے۔ پس میرا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن دوستوں کو پہلے ایسا خرچ کرنے کا موقع نہیں ملا انہیں اس کا موقع مل جائے اور نیکی کا یہ خانہ خالی نہ رہے۔

دوسری غرض میری یہ ہے کہ ہماری جماعت میں یہاں بھی اور باہر بھی بعض سادات قابلِ امداد ہیں اور سادات کو معروف صدقہ دینا منع ہے۔ پس اگر یہ انہی معنوں میں صدقہ کی نیت سے دیا جائے جو ہمارے ملک میں اس کا مفہوم ہے تو اس سے ہم سادات کی مدد نہیں کر سکتے۔ ہاں ہدیہ اور تحفہ سے ان کی مدد بھی کر سکتے ہیں۔ تحفہ انسان ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، بچوں، دوستوں، رشتہ داروں غرضیکہ سب کو دے سکتا ہے۔

پس میری یہ دو اغراض ہیں جن کی وجہ سے مَیں نے کہا ہے کہ جو دوست میری اس تحریک میں حصہ لیں وہ صدقہ کی نیت نہ کریں جس طرح کہ وہ اپنے بھائیوں، بہنوں، بیوی بچوں یا ماں باپ کو تحفہ دیتے ہیں تا جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے ایک طرف تو ان کی نیکی کا یہ خانہ خالی نہ رہے یا جن کا پہلے ہی خانہ نہیں ان میں زیادتی ہو سکے اور دوسرے یہ کہ اس تحریک سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں جو صدقہ کی صورت میں نہیں اٹھا سکتے۔

اس سلسلہ میں دوسری بات جو مَیں کہنی چاہتا ہوں، یہ ہے کہ گو اس وقت تک کافی وعدے آ چکے ہیں، باوجودیکہ اس تحریک پر ابھی تھوڑا وقت گزرا ہے اور میرا خطبہ آج ہی شائع ہوا ہے اِس وقت تک غلہ اور نقد کے جو وعدے آئے ہیں وہ غلہ کی صورت میں سوا دو سَو من کے قریب کے ہیں اور گو ابھی تک مکمل فہرست تو میرے سامنے نہیں آئی مگر مَیں سمجھتا ہوں ابھی قادیان کے بھی بہت سے دوست ہیں جنہوں نے اس میں حصہ نہیں لیا اور باہر کی جماعتیں تو

قریباً ساری ہی ایسی ہیں جنہوں نے ابھی اس میں حصہ نہیں لیا۔ باہر کی جماعتوں میں سے سب سے بڑھ کر حصہ لینے والی اور اول نمبر حاصل کرنے والی لائل پور کی جماعت ہے۔ اس جماعت نے سب سے پہلے اور فوری طور پر اور جماعتی رنگ میں اپنا وعدہ بھجوایا۔ اس کے سوا باہر کی کوئی ایسی جماعت نہیں جس نے اس وقت تک جماعتی طور پر حصہ لیا ہو۔ گو یہ جماعت چھوٹی ہے اور اس لحاظ سے اس نے حصہ بھی تھوڑا ہی لیا ہے مگر سب سے پہلے حصہ لیا ہے اور خطبہ شائع ہونے سے بھی پہلے لیا ہے اور اجتماعی رنگ میں لیا ہے اور اس وجہ سے وہ بیرونی جماعتوں میں سے اول نمبر لے گئی ہے۔ سوائے ان جماعتوں کے جن تک ابھی یہ اطلاع نہیں پہنچی اور نہ پہنچ سکتی تھی۔ ان میں سے بعض کو تو اب اطلاع ملی ہو گی مثلاً کلکتہ، بمبئی، حیدر آباد و سکندر آباد وغیرہ کی جماعتیں ہیں۔ ان کو جب خبر پہنچے تو اگر وہ جلدی کریں تو ممکن ہے اول نمبر میں شامل ہو جائیں۔ پس مَیں پھر ایک دفعہ بیرونی جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس تحریک میں حصہ لیں اور صدقہ کی نیت نہ رکھیں اور اس طرح نیکی کے اس خانہ کو پُر کریں جس میں اب تک بہت کم عمل درج ہیں۔

اس کے بعد ایک اَور بات ہے جس کے متعلق مَیں کچھ کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ مَیں دوستوں کو ہمیشہ دعاؤں کے متعلق کہتا رہتا ہوں اور خود بھی دعائیں کرتا ہوں۔ اس وقت حالات ایسے خراب ہو چکے ہیں کہ ملک کے امن میں بہت خلل پڑنے کا ڈر ہے۔ ایک طرف تو بیرونی حکومتیں اور طاقتیں کوشش کر رہی ہیں کہ ہندوستان پر قبضہ کر لیں اور دوسری طرف بدقسمتی سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں اختلاف بڑھ رہے ہیں۔ ہر قوم منصوبے کر رہی ہے کہ موقع ملے تو مَیں دوسری قوموں کے اموال اور جائدادوں پر قبضہ کر لوں اور ان کی جانوں کو ضائع کروں حالانکہ یہ کتنی خراب بات ہے جو صرف اخلاق کی کمی سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں اگر مصیبت آئے تو لوگ ایک دوسرے کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور مدد کریں گے مگر ہمارے ملک میں یہ حالت ہے کہ ہر شخص اپنے گاؤں میں بیٹھا خوش ہو رہا ہوتا ہے کہ موقع ملے تو لوٹ مار کریں گے۔ ایک طرف ہندوستان کے لئے آزادی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف شیطان کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کی طرف

کوئی توجہ نہیں۔ حالانکہ حقیقی آزادی وہی ہے جو شیطان کی غلامی سے حاصل کی جائے۔ دنیا میں کوئی قوم حکومت نہیں کر سکتی جب تک وہ ایک حد تک شیطان کی غلامی سے آزاد نہ ہو۔ بے شک غیر قومیں بھی دوسروں پر ظلم کرتی ہیں مگر وہ غیروں پر ظلم کرتی ہیں اپنوں پر نہیں۔ جرمنوں نے بہت سے ملکوں پر قبضہ کر لیا ہے اور بعض پر حملے کر رہے ہیں مگر ان کی غرض یہ نہیں کہ ہٹلر کو بہت سا مال مل جائے یا گوئرنگ کی جائداد میں اضافہ ہو جائے۔ وہ دوسروں کو ضرور لوٹتے ہیں مگر قوم اور ملک کے فائدہ کے لئے لوٹتے ہیں اور اس طرح اس لوٹنے میں ایک رنگ نیکی کا بھی ہے۔ روس پر جرمن حملہ کی غرض یہ نہیں کہ ہٹلر کی جائداد بڑھ جائے یا اگر جرمنوں نے پولینڈ کو لوٹا تو کسی خاص فرد نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اس سے ہزاروں لاکھوں جرمن پل رہے ہیں۔ وہ دوسروں پر ظلم تو کرتے ہیں مگر بنی نوع انسان کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس کی خیر خواہی کی جاتی ہے مگر ہمارے ملک میں یہ حالت نہیں۔ یہاں کے لوگوں کی ذہنیت ڈاکوؤں کی سی ہے اور اس ذہنیت کے لوگ کسی کے بھی خیر خواہ نہیں ہوتے اور ہمارے ملک کی یہی ذہنیت ہے۔ جاپان اس وقت بڑھ رہا ہے مگر اس پیش قدمی سے اس کا مقصد یہ نہیں کہ اس کے وزیر اعظم جنرل ٹوجو کو بہت سا مال مل جائے یا اس کے بادشاہ میکاڈو کی جائداد وسیع ہو جائے بلکہ یہ غرض ہے کہ بحیثیت مجموعی سب جاپانی فائدہ اٹھا سکیں۔ انگریزوں کو برا کہا جاتا ہے اور ان میں بھی نقائص ہیں مگر ہندوستان پر قبضہ کر کے ان میں سے خاص اشخاص نے فائدہ نہیں اٹھایا، ہر فرد نے اٹھایا ہے بلکہ ان کی سیاست کے پیش نظر یورپ کے ہر فرد نے فائدہ اٹھایا ہے۔ فرانسیسی بھی یہاں ملازم ہیں اور جرمن بھی تجارتیں کرتے ہیں۔ صرف ہندوستانیوں یا ایشیائیوں کے لئے دقتیں ہیں، یورپینوں کو نہیں۔ مَیں نے ملاقات کے وقت بعض انگریزوں کے سامنے یہ بات رکھی ہے کہ جب کوئی ہندوستانی ان سے ملنے آئے تو وہ اسے ملیں گے بھی تو اس طرح جس طرح کتے کے آگے روٹی ڈالی جاتی ہے مگر جب کوئی جرمن ان کی کوٹھی پر آ جائے تو برادرانہ طور پر ملتے ہیں۔ اس وقت وہ انقباض جاتا رہتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہم جنس ملنے آیا ہے۔ ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ سیاسی قبضہ ہے ڈاکوؤں والا نہیں مگر ہمارے ملک کی ذہنیت ڈاکوؤں والی ہے۔ فاتح قومیں بے شک بالواسطہ فائدہ اٹھاتی ہیں، ٹیکس بڑھا دیتی ہیں،

تجارتوں کو نقصان پہنچاتی ہیں اور اس طرح ظلم تو کرتی ہیں مگر یہ سیاسی ظلم ہیں جو ایک حد تک برداشت کئے جاسکتے ہیں اور اس طرح دوسری قوم کو کمزور کرنے میں سینکڑوں سال لگ جاتے ہیں مگر ڈاکو اس طرح نہیں کرتے۔ وہ تو ایک ہی دن میں مال لوٹ لیتے، جانیں ضائع کر دیتے اور گھر بار جلا دیتے ہیں لیکن جو قومیں سیاسی قبضہ کرتی ہیں وہ سینکڑوں سالوں میں جاکر دوسری قوم کو کمزور کرتی ہیں۔ انگریز ہندوستان میں قریباً تین سو سال سے ہیں لیکن آج بھی یہاں لوگ اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ اپنی زمینوں اور جائدادوں کے مالک ہیں۔ مگر ہمارے ملک کی ذہنیت ڈاکوؤں والی ہے اور یہ ذہنیت خطرات کو بہت بڑھا دیتی ہے۔ ایک طرف تو انگریزوں کے خلاف جذبۂ نفرت پیدا کیا جارہا ہے، پیدا ہو گیا ہے اور پیدا ہوتا جائے گا۔ حکومت کو یا تو پتہ نہیں اور یا پھر وہ مصلحتاً خاموش ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسری قوم کے خلاف بھی لوگوں کو اُکسایا جارہا ہے۔ کہیں کہا جاتا ہے کہ یہ سکھوں کا ملک ہے، کہیں کہا جاتا ہے ہندوؤں کا ہے۔ چوری چوری ہتھیار جمع کئے جارہے ہیں، ایمونیشن اکٹھا کیا جارہا ہے، تیزاب فراہم کیا جاتا ہے اور یہ ذہنیت مقامی طور پر بہت بڑی بربادی کا موجب ہو سکتی ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ ایک گاندھی نہیں اگر دس کروڑ گاندھی ہوں بلکہ ہندوستان کی آبادی چالیس کروڑ بتائی جاتی ہے اگر 40 کروڑ گاندھی بن جائیں لیکن ذہنیت یہی ہو جو اس وقت ہے تو چالیس کروڑ گاندھی مل کر بھی انگریزوں کو یا کسی دوسری قوم کو ہندوستان سے نہیں نکال سکتے۔ جس قوم کی ذہنیت غلام ہو وہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتی۔ جو قوم اندرونی نظم و نسق کو درست نہیں کر سکتی وہ دوسرے کے مقابل پر کبھی کھڑی نہیں ہو سکتی اور بھلا کون معقول آدمی تسلیم کرے گا کہ جو قومیں پیپل کی ٹہنیوں پر لڑتی ہیں، جو تعزیوں پر اور گائے کی قربانی کے لئے لڑتی ہیں وہ ایک دوسری سے حکومت لینے یا ملک حاصل کرنے کے لئے نہ لڑیں گی۔ یہ تو محض بہانہ ہے کہ انگریز لڑاتے ہیں اور یہ لڑائیاں اس وجہ سے ہیں کہ انگریز یہاں ہیں۔ یہ عقائد انگریزوں نے تو نہیں بنائے۔ گائے کی قربانی یا حرمت کے عقائد ان کے بنائے ہوئے نہیں۔ اسلام میں سینکڑوں سالوں سے اس کی اجازت چلی آتی ہے اور ہندوؤں کے اندر بھی سینکڑوں سالوں سے اس کی حرمت کا عقیدہ چلا آتا ہے۔ انگریزوں سے پہلے بھی یہاں تعزیے نکلتے تھے، گھوڑا نکلتا تھا، ہولی انگریزوں سے

پہلے بھی ہوتی تھی اور ان سے پہلے بھی ایک دوسرے پر رنگ پھینکا جاتا تھا۔ یہ باتیں انگریزوں نے پیدا نہیں کیں اور گو یہ باتیں نامناسب ہیں لیکن اگر ہر شخص اور ہر قوم یہ سمجھے کہ دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دینا تو کوئی جھگڑا پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر ہندو ایک دوسرے پر رنگ پھینکنا چاہیں تو کسی کا حق نہیں کہ انہیں روکے بلکہ اگر کوئی اپنے اوپر نیل کا مٹکا بھی گرانا چاہے تو کسی کو روکنے کا حق نہیں۔ لیکن اگر کوئی مسلمان اسے ناپسند کرتا ہے اور اس میں اپنی ذلت سمجھتا ہے تو اس پر کیوں پھینکا جائے۔ اب ان باتوں میں انگریزوں کا کیا دخل ہے۔ انہوں نے تو یہ تعلیم نہیں دی اور نہ یہ عقائد پھیلائے ہیں یا کوئی مسلمان اپنے گھر میں گائے کی قربانی کرتا ہے، بازاروں میں اس کا گوشت لئے نہیں پھرتا اور ہندوؤں کو نہیں دھمکاتا تو اس میں ہندوؤں کا کیا نقصان ہے یا ہندو دسہرہ مناتے ہیں تو اس میں مسلمانوں کا کیا نقصان ہے۔ ہندو باجا بجاتے ہیں گو اس سے نماز کا وقت ہو تو ایک حد تک نماز میں حرج ہوتا ہے لیکن اگر ہندو مسلمانوں کے کاموں میں دخل نہ دیں تو باجا پر ان کو اعتراض کی ضرورت نہیں۔ جتنا زیادہ مسلمان اس سے چِڑتے ہیں اتنا ہی وہ اور بجاتے ہیں۔ یہاں بھی بعض اوقات ہندو باجا بجاتے ہیں مگر ہم نہیں روکتے اور مسجد میں بھی کبھی اتنا شور ہم نے نہیں سنا۔ اگر دوسرے مسلمان بھی اس پر بُرا نہ منائیں تو ہندو خود بخود چھوڑ دیں۔ وہ سمجھیں گے کہ مسلمان تو اس سے چِڑتے نہیں یہ خوامخواہ اپنے ڈھول پھاڑنے والی بات ہے۔ تو اگر آپس میں محبت اور پیار کا طریق جاری ہو تو ان چیزوں کا خود بخود علاج ہو سکتا ہے۔ یہ جھگڑے صرف اس وجہ سے ہیں کہ اس بات پر اصرار کیا جاتا ہے کہ دوسرے سے بھی وہی کرائیں جو خود کرتے ہیں اور یہ باتیں انگریزوں نے پیدا نہیں کیں۔ دوسرے کے ذمہ اتنا ہی قصور لگانا چاہئے جتنا اس سے سرزد ہو اور ہمیشہ سچائی کو دیکھنا چاہئے اور سچائی کے پیچھے چلنا چاہئے۔ ان باتوں نے ملک کے امن و چین کو بگاڑ دیا ہے اور اسی وجہ سے مَیں دوستوں کو دعا کی تحریک کرتا رہتا ہوں اور خود بھی دعائیں کرتا رہتا ہوں۔

پرسوں کی بات ہے کہ مَیں اسی طرح دعا کر رہا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہو جائے تو اطمینان ہو۔ ہماری تو 32 دانتوں میں زبان کی سی حالت ہے۔ ہم مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں مگر وہ ہمارے دشمن ہیں، ہم ہندوؤں کے خیر خواہ ہیں

مگر ہندو ہمارے دشمن ہیں، ہم سکھوں کے خیر خواہ ہیں مگر سِکھ ہمارے دشمن ہیں، ہم عیسائیوں کے خیر خواہ ہیں مگر عیسائی ہمارے دشمن ہیں، ہم انگریزوں کے وفادار ہیں مگر وہ بھی ہمارے دشمن ہیں۔ ان کی مشین جب چلتی ہے ہمارے خلاف ہی چلتی ہے۔ گویا ہم 32 دانتوں میں زبان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں مگر ہمارا ہر ایک دشمن ہے اس وقت لڑائی ہو رہی ہے، ہماری جماعت کے ہزاروں نوجوان بھرتی ہو کر جنگ میں جارہے ہیں اور ماں باپ اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر جاتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہمیں نوکری کی ضرورت نہیں مگر ان کے ماں باپ کہتے ہیں کہ نہیں حضرت خلیفۃ المسیح کا حکم ہے اس لئے ضرور جاؤ۔ مگر پنجاب کے انگریز افسر ہمیں باغی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا اس سے کچھ نہیں بگڑتا جتنا وہ ہم کو باغی ثابت کرنا چاہتے ہیں اتنا ہی خدا تعالیٰ کی نظر میں ہمارا درجہ زیادہ بلند ہوتا ہے۔ مسلمان ہم کو کافر قرار دیتے ہیں، ان کی سیاسی انجمنیں قانون بناتی ہیں کہ ہمارے ممبروں کا پہلا فرض یہ ہوگا کہ احمدیوں کو دائرہ اسلام سے نکلوائیں مگر ان پر جو بھی مصیبت آتی ہے اس میں ہم ان کے ساتھ ہوتے ہیں اور مشکلات میں قربانیاں کرتے ہیں اور اپنے مال اور اپنی جانیں خرچ کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم ہندوؤں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ جہاں کہیں فساد ہو، احمدی ان کی مدد کرتے ہیں۔ جب مولچوں کے علاقہ میں فساد ہوئے تو ہائیکورٹ کے ایک جج نے یہ بیان کیا کہ جب مسلمان ہندوؤں کو مارتے تھے تو احمدی اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر ان کو بچاتے تھے مگر ہندوؤں کا جہاں بھی بس چلے احمدیوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ سِکھ گوروؤں کی ہم اتنی ہی عزت کرتے ہیں جتنی کی جاسکتی ہے مگر سِکھ ہمارے خلاف ہیں اور ان کی آنکھوں سے ہمارے خلاف شعلے نکلتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو ان کو ختم کر دیا جائے۔ دوسرے مسلمانوں کی ہم ہر موقع پر مدد کرتے ہیں مگر وہ ہمیشہ ہمارے خلاف رہتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہئے کیونکہ اسماعیلی سلسلہ ہے اور حضرت ابراہیم کی پیشگوئی ہے کہ:-

"سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بودوباش کرے گا۔" [4]

سو اگر ہمارے خلاف ہمارے بھائیوں کی تلوار اٹھی رہتی ہے تو یہ ثبوت ہے ہمارے

سلسلہ کے اسماعیلی سلسلہ ہونے کا۔ آنحضرت ﷺ نے دنیا میں تمام بانیانِ مذاہب کی عزت قائم کی۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ اے عرب کے لوگو! سن لو کہ وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡھَا نَذِیۡرٌ۔[5] ہندوستان میں بھی اللہ تعالیٰ کے نبی آئے ہیں۔ شام میں بھی اللہ تعالیٰ کے نبی آئے ہیں، عراق میں بھی آئے ہیں اور ایران میں بھی آئے ہیں اور دنیا کی ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے ہادی بھیجے ہیں۔ مگر ہندو کوئی کتاب لکھتا ہے تو رسول کریم ﷺ کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹا، فریبی اور دغاباز لکھتا ہے۔ عیسائی کوئی کتاب لکھتا ہے تو اس میں آپ کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ جھوٹا، فریبی اور دغاباز لکھتا ہے۔ وہ محمد (ﷺ) جس نے اپنے ماننے والوں کے دلوں سے دوسری قوموں کے سرداروں اور لیڈروں کی نفرت کو دور کر کے ان کی محبت کو قائم کیا۔ اسے اس کا بدلہ یوں دیا جاتا ہے کہ جب بھی کسی کو موقع ملتا ہے آپ کو جھوٹا، فریبی اور دغاباز کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ کیوں ہے؟ حالانکہ لوگ دنیا میں بالعموم قدر کرنے والے ہوتے ہیں۔ حسن واحسان کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ اسی لئے ہے کہ تا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئی پوری ہو۔ " سب کے ہاتھ اس کے بر خلاف ہوں گے۔ " اور تا وہ نشان ظاہر ہو جو خدا تعالیٰ نے اسماعیلی سلسلہ کے لئے مقرر کیا ہے۔ محمد (ﷺ) سے زیادہ محسن اَور کوئی نہیں مگر آپ سے زیادہ دشمنی بھی کسی کے ساتھ نہیں کی گئی اور یہی ہمارا حال ہے۔ ہم سب کی خیر خواہی کرتے ہیں مگر سب ہمیں مٹانا چاہتے ہیں۔ تو مَیں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ سلسلہ سب سے زیادہ خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ یاالٰہی تُو اپنا فضل کر اور یہی دعا کرتا کرتا مَیں سو گیا۔ صبح کے قریب کا وقت تھا کہ میرے سامنے ایک کاغذ لایا گیا جس پر کچھ لکھا تھا۔ مَیں نے اسے پڑھنا شروع کیا مگر کشف میں ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رات کا وقت ہے اور وہ ٹھیک طرح پڑھا نہیں جاتا۔ کئی بار مَیں نے کوشش کی مگر ٹھیک طور پر پڑھا نہیں گیا لیکن آخر پڑھا گیا۔ اس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے اُکُلُھَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّھَا اس کے بعد یہ الفاظ میرے دل پر بھی اور زبان پر بھی نازل ہونے شروع ہوئے اور بہت دیر تک آدھ گھنٹہ یا معلوم نہیں کتنے عرصہ تک میری زبان پر یہ الفاظ جاری رہے۔ زبان بھی یہی الفاظ کہتی تھی اور دل میں بھی بار بار دہرائے جاتے تھے۔ جب مَیں اٹھا تو میرے ذہن میں یہ آیت نہ تھی جو مَیں نے شروع خطبہ میں پڑھی ہے اور مجھے

یہ یاد نہ تھا کہ یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔ مَیں سمجھتا تھا کہ قرآن کریم میں شجرہ طیبہ کی جو مثال دی گئی ہے انہی الفاظ کا ترجمہ کر کے میرے سامنے لایا گیا ہے۔ کل مجھے خیال آیا کہ دیکھوں تو سہی یہ کسی آیت قرآنی کا ٹکڑا تو نہیں اور میرے مد نظر تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ والی آیت تھی۔ اور مَیں نکالنے بھی وہی لگا تھا کہ اُکُل کے لفظ کے نیچے یہی آیت مل گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس جنت کا مومنوں کو وعدہ دیا گیا ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اُكُلُهَا دَآئِمٌ اس کے پھل دائمی ہیں اور کبھی ختم نہیں ہوتے۔ وَظِلُّهَا اور اس کا سایہ بھی دائمی ہے وہ بھی کبھی ختم نہیں ہوتا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا مگر یہ انجام ان کا ہے جو خدا تعالیٰ کے حضور متقیوں کی زندگی بسر کرتے ہیں وَعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ اور جو اس سچائی کا انکار کریں ان کا انجام دوزخ ہے۔ پہلے میرا یہ خیال نہ تھا کہ یہ الفاظ کسی آیت کا ٹکڑا ہیں۔ قرآن ہمیشہ پڑھا جاتا ہے مگر بعض اوقات کوئی آیت ذہن میں نہیں ہوتی۔ پہلے مَیں اسے آیت نہیں سمجھتا تھا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ آیت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا۔ اللہ تعالیٰ نے احمدیت کے پھلوں کو اور اس کے سایہ کو دائمی بنانے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس لئے کوئی دشمن اسے کچل نہیں سکتا۔ اتنی تکرار کے ساتھ یہ الفاظ الہام ہوتے رہے کہ شاید نصف یا پون گھنٹہ مسلسل جس طرح تار سارنگی پر پڑتی ہے یہ الفاظ میرے قلب پر پڑتے رہے یہاں تک کہ میری آنکھ کھل گئی۔ مَیں نے آنکھ کھل گئی کے الفاظ بولے ہیں کیونکہ کشف یا الہام کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ نرالی ہوتی ہے وہ ایک غنودگی کی حالت ہوتی ہے مگر انسان سمجھتا نہیں کہ غنودگی کی حالت ہے۔ وہ اپنے بستر کو بھی محسوس کرتا ہے اور گردوپیش کی دوسری چیزوں کو بھی۔ مگر پھر بھی ایک غنودگی اور ربودگی کی حالت ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ سے کھویا ہوا ہوتا ہے اور حواس باطنی کے ماتحت دیکھتا ہے۔ مَیں نے جب یہ حالت دیکھی تو اس وقت مَیں جانتا تھا کہ میری کروٹ کس طرف ہے، کس جگہ ہوں اور حِس ایسی تھی جیسے جاگتے ہوئے ہوتی ہے مگر حواس ظاہری کھوئے ہوئے تھے اور باطنی حواس پیدا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک طرف تو بشارت دی ہے مگر دوسری طرف یہ بتایا ہے کہ یہ انجام متقیوں کا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا گو یہ حصہ الہام میں شامل نہیں

مگر جب کسی آیت کا کوئی ٹکڑا الہام ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ساری آیت اس میں شامل ہے۔ اس لئے ہماری جماعت کو چاہئے کہ متقی بنے۔ بعض لوگ معمولی معمولی باتوں میں جھوٹ بول دیتے ہیں، بعض لوگ آجکل غلہ کے معاملہ میں بھی بدعہدی کر دیتے ہیں، بعض ایسے لوگوں سے خریدتے ہیں جن سے خریدنے کی ممانعت ہے۔ اگر تو ہماری حالت افراد کی ہوتی تو ہم کہہ سکتے تھے کہ ہمارے ہزار میں سے صرف بیس ایسے ہیں اور اس بات پر ہم فخر کر سکتے تھے مگر ہمیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ساری دنیا کو شامل کرو اور پھر سارے نیک بنو۔ پس مَیں دوستوں کو پھر یہ نصیحت کرتا ہوں کہ متقی بنو، سچائی کو شعار بناؤ جو کام کرو اس میں سچ بولو، ڈرو نہیں۔ ڈرنے کی آخر بات ہی کیا ہے۔ انسان ڈرتا اس وجہ سے ہے کہ سمجھتا ہے میرا روپیہ ضائع ہو جائے گا، جان چلی جائے گی یا عزت پر حرف آئے گا لیکن سوچنا تو چاہئے کہ وہ روپیہ آیا کہاں سے تھا، جان کس نے دی تھی اور عزت خدا تعالیٰ کے سوا کس کے ہاتھ میں ہے۔ پس مومن کو چاہئے کہ نڈر ہو اور سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرے۔ جان مال اور عزت، کسی چیز کے ضائع ہونے سے خوف نہ کھائے کہ یہ سب عارضی چیزیں ہیں۔ حضرت مسیح ناصری کو جب دشمنوں نے صلیب پر لٹکایا تو دنیا یہ خیال کرتی تھی کہ آپ کی ذلت انتہا کو پہنچ گئی۔ آپ کو جس مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا وہ آپ کا ہمدرد تھا اور اس نے کوشش کی کہ آپ اپنے دعویٰ کو ذرا نرم کر دیں مگر آپ نے ایسا نہ کیا۔ محمد (ﷺ) سے کفار نے یہ کہا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ شرک کرو یا اسلام چھوڑ دو بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دیوتاؤں اور معبودوں کو بُرا نہ کہو۔ یہ تجویز بظاہر اتنی معقول تھی کہ ابو طالب جو آپ کے چچا تھے انہوں نے بھی ابتداءً معقول سمجھا، کفار نے ابو طالب کو دھمکی بھی دی کہ اگر تم اتنی سی بات بھی نہ منوا سکے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم بھی محمد (ﷺ) کے ساتھ ہو اور ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بلایا اور کہا اے میرے بھتیجے آج تیری قوم میرے پاس آئی تھی۔ وہ لوگ بڑے دکھی ہیں اور وہ کہتے تھے کہ آخر محمد (ﷺ) ہم میں سے ہی ہے۔ اسے ہمارے معبودوں کو بُرا کہنے میں کیا مزہ آتا ہے۔ ہم اس بات کے لئے تیار ہیں کہ اس سے صلح کر لیں۔ اپنے آپ کو اس کے ماتحت کر دیں اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں اور اس سے یہ نہیں چاہتے

کہ وہ اپنا کوئی عقیدہ چھوڑ دے بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہے۔ ابو طالب نے آپ سے یہ بھی کہا کہ میرے بھتیجے مَیں نے کس طرح ہر مصیبت کے وقت تیری مدد کی ہے مگر قوم آخر قوم ہی ہے آج تو وہ مجھے بھی نوٹس دے گئے ہیں کہ اگر تم اپنے بھتیجے سے اتنی سی بات بھی نہ منوا سکو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم بھی اس کے ساتھ ہو اور ہم تم سے بھی قطع تعلق کر لیں گے۔ چونکہ ابو طالب کے آنحضرت ﷺ پر احسان تھے اور وہ ہمیشہ آپ کا ساتھ دیتے آئے تھے اس لئے اس بات کا خیال کر کے کہ ابو طالب کو اپنی قوم کے چھوٹ جانے کا ڈر ہے۔ آپ نے فرمایا چچا آپ کے مجھ پر بڑے احسان ہیں، آپ سے مَیں کچھ نہیں کہتا، آپ بے شک اپنی قوم سے صلح کر لیں اور لوگوں کو خوش کر لیں اور بے شک میرا ساتھ چھوڑ دیں لیکن اگر وہ دائیں طرف سورج اور بائیں طرف چاند لا کر کھڑا کر دیں تو بھی خدا تعالیٰ کی توحید میں کسی قسم کی کمی کرنے کو مَیں تیار نہ ہوں گا۔ ابو طالب مسلمان نہ تھے مگر صداقت بہر حال دل پر اثر کرتی ہے۔ یہ بات سن کر آپ نے کہا کہ میرے بھتیجے جا، جس چیز کو تُو سچائی سمجھتا ہے اسے بے شک پھیلا۔ مَیں تیرے ساتھ ہوں۔[6] تو سچائی کے لئے انسان اگر ایک رنگ میں ذلت بھی اٹھائے تو خدا تعالیٰ اسے دوبارہ قائم کر دیتا ہے۔ لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ذلیل کرنے کی کتنی کوششیں کیں مگر کیا وہ کامیاب ہوئے۔ پھر وہ تو پرانی باتیں ہیں۔ احرار کے فتنہ کو تو تم لوگوں نے خود دیکھا ہے۔ 1934ء سے شروع کر کے دو تین سال پیچھے تک انہوں نے کتنا زور لگایا، وہ کس جوش سے آتے تھے اور دھڑلے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر گندے اعتراضات کرتے اور گندے الفاظ سے آپ کو یاد کرتے تھے اور کس دعوے سے کہتے تھے کہ ہم مرزائیت کا جنازہ نکال دیں گے (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کا نام انہوں نے مرزائیت رکھا ہوا ہے) مگر جنازہ بھی جب نکلتا ہے تو لوگوں کو نظر آتا ہے۔ لیکن ان احرار کا تو اب جنازہ بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ تم میں سے کتنے تھے جو اس شورش سے ڈرا کرتے تھے، کئی گھبرا گھبرا کر مجھے رقعے لکھتے تھے کہ اب کیا ہو گا، کئی تھے جن کو گورنمنٹ پر غصہ آتا تھا کہ وہ کیوں کچھ کرتی نہیں مگر میرا دل یقین سے پُر تھا اور مَیں یقین رکھتا تھا کہ خدا تعالیٰ کی بات کو کوئی انسان ردّ نہیں کر سکتا۔ پس مَیں نہ احرار کی شرارتوں سے

خائف تھا، نہ ان رقعوں سے گھبراتا تھا اَور نہ منافقین کی کمزوری سے۔ اور جانتا تھا کہ یہ سب باتیں ہوا کے جھونکوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں۔ جو آتا ہے اَور اُڑ جاتا ہے اور اس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ اتنے بڑے نشان دیکھ کر بھی تم لوگ کیوں اپنے عقائد اور اعمال میں مضبوط نہیں ہوتے۔ کسی چیز سے نہ ڈرو۔ خوب یاد رکھو کہ کسی انسان کا رزق اور عزت کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ عزت اور ذلت بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور آخری فیصلہ اسی نے کرنا ہے۔ چھوٹی عدالتوں کے فیصلے کچھ حقیقت نہیں رکھتے اور اصل فیصلہ ہائی کورٹ کا ہوتا ہے اور ہمارا ہائی کورٹ خدا تعالیٰ ہے۔ اگر تم سچائی پر قائم رہو، متقی بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا کہ اس کے پھل بھی دائمی ہوں گے اور سایہ رحمت بھی دائمی ہو گا۔ پس تم متقی بن جاؤ، اپنے، اپنی اولاد کے، اَور اپنے ہمسایوں کے اخلاق درست کرو، ان کو سچائی پر قائم کرو اور غیر اللہ کا ڈر دلوں سے نکال دو تا تمہارے پھل اور تمہارے اچھے کاموں کے نتائج اچھی صورت میں ہمیشہ کے لئے جاری رہیں اور تمہاری نسلیں بھی ہمیشہ کے لئے جاری رہیں۔ ظل کا لفظ اگر انسان کے لئے بولا جائے تو اس کے معنے اولاد کے بھی ہو سکتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرو اور عارضی تکالیف کے خیال سے سچائی کو کبھی نہ چھوڑو، کسی سے دھوکا نہ کرو، کسی سے جھوٹ نہ بولو اور متقی بن جاؤ اور پھر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ نہ صرف تم نقصان سے بچائے جاؤ گے بلکہ تمہاری اولادیں بھی بچائی جائیں گی۔"

(الفضل 5 جون 1942ء)

1: الرعد: 36

2: بخاری کتاب النفقات باب فضل نفقة الرجل علی الاھل

3: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الاستعفاف عن المسألة

4: پیدائش باب 16 آیت 12

5: الفاطر: 25

6: سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 285۔ مطبوعہ مصر 1936ء